INTERNATIONAL JOURNAL OF SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 3, Issue 9, 2025

(SUBURBAN REALITIES AND SOCIAL CONSCIOUSNESS: A NEW READING OF PREMCHAND'S STORIES)

ڈاکٹر اسد محمود خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو

منہاج یونیورسٹی، لاہور

assadphdir@gmail.com

Corresponding Author: *

ڈاکٹر اسد محمود خان

DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.17067304

Received	Revised	Accepted	Published
11 June 2025	27 July, 2025	21 August 2025	06 September 2025

ABSTRACT

This paper offers a contemporary re-reading of Munshi Premchand's short stories through the lens of suburban transformation and evolving social consciousness. Traditionally recognized for his rural realism, Premchand's narratives also anticipate the shift toward semi-urban and transitional spaces—zones caught between tradition and modernity. This study reinterprets selected stories to highlight how emerging class structures, caste dynamics, gender roles, and economic marginalization play out in liminal, suburban-like settings. These narratives provide a deeper understanding of socio-political transitions in pre-independence India, which resonate strongly with today's semi-urban realities. By using interdisciplinary tools from literary criticism, sociology, and urban studies, the paper seeks to unravel how Premchand's characters embody conflict, resistance, and aspiration within socially stratified environments. This modern reading positions Premchand not only as a chronicler of village life but also as a precursor to India's suburban literary imagination.

KeyWords: *Premchand, suburban fiction, social consciousness, semi-urban transformation, caste, gender, realism*

(مُلَخَّص)

یہ مضمون منشی پریم چند کے افسانوں کو مضافاتی تبدیلی اور سماجی شعور کے جدید تناظر میں دوبارہ پڑھنے کی ایک کوشش ہے۔ اگرچہ پریم چند کو عام طور پر دیہی حقیقت نگاری کا علمبردار سمجھا جاتا ہے، ان کی تحریروں میں نیم شہری یا عبوری علاقوں کی جھلک بھی نمایاں ہے—ایسے مقامات جو روایت اور جدیدیت کے بیچ معلق ہیں۔ یہ مطالعہ اُن کہانیوں کو دوبارہ جانچتا ہے جن میں طبقاتی ساخت، ذات پات کے مسائل، صنفی کردار اور معاشی حاشیہ نشینی جیسے موضوعات ابھرتے ہیں۔ یہ عناصر نہ صرف برطانوی دور کی ہندوستانی سماجیات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ آج کے مضافاتی پس منظر میں بھی گونجتے ہیں۔ ادب، عمرانیات اور شہری مطالعات کے امتزاج سے یہ قرأت پریم چند کی کہانیوں میں موجود مزاحمت، خواہش اور سماجی شعور کو نئے انداز سے واضح کرتی ہے۔ یہ مطالعہ پریم چند کو صرف دیہات کا مؤرخ نہیں بلکہ مضافاتی ادب کا پیش رو بھی تسلیم کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: پریم چند، مضافاتی ادب، سماجی شعور، نیم شہری تبدیلی، ذات پات، صنف، حقیقت نگاری

مضافاتی حقیقتیں اور سماجی شعور: پریم چند کے افسانوں کی نئی قرأت

(1)

مضافاتی علاقے، جنہیں اکثر عبوری یا درمیانی خطے کہا جاتا ہے، سماجی، جغرافیائی اور ثقافتی سطحوں پر ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ مقامات ہیں جو شہری اور دیہی زندگی کے درمیان ایک غیر واضح، مگر نہایت پُر معنی حدِ فاصل بناتے ہیں۔ ان علاقوں کو صرف مکانی وحدت کے طور پر دیکھنا ان کی تہہ داری سے انکار کے مترادف ہے، کیونکہ یہ جگہیں اپنے اندر فکری، سماجی، اور نفسیاتی پہلو بھی سموئے ہوئے ہوتی ہیں۔ مضافاتی فضا نہ تو مکمل طور پر شہری ہوتی ہے اور نہ ہی خالص دیہی؛ وہ ان دونوں دنیاؤں کے بیچ ایک ایسے عبوری مقام کی حیثیت رکھتی ہے جہاں مختلف عناصر کی آمیزش ایک نئی ثقافتی شناخت کو جنم دیتی ہے۔ یہ عبوری نوعیت ہی مضافاتی علاقوں کو خاص بناتی ہے۔ ان میں تضادات اور توازن کی وہ کیفیت موجود ہوتی ہے جو روایت اور جدیدیت، سادگی اور پیچیدگی، مرکزیت اور حاشیہ پن، جڑت اور اجنبیت جیسے متضاد تصورات کو بیک وقت سمیٹے رکھتی ہے۔ ان خطوں میں رہنے والے افراد اکثر ان دو دنیاؤں کے بیچ جھولتے نظر آتے ہیں؛ وہ نہ مکمل شہری اقدار کو اپنا پاتے ہیں اور نہ ہی دیہی روایات کو مکمل طور پر ترک کر پاتے ہیں۔ نتیجتاً ان کے اندر ایک مسلسل کشمکش، احساسِ عدم استحکام، اور شناختی بحران جنم لیتا ہے۔ مضافاتی مقام کو اگر صرف ایک جغرافیائی نکتہ سمجھا جائے تو ہم اس کی معنوی جہات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خطے ایک علامتی کینوس بن جاتے ہیں، جہاں فرد کی داخلی دنیا اور بیرونی دنیا کے بیچ کشمکش، ہم آہنگی اور تضاد کی داستان رقم ہوتی ہے۔ یہی مضافاتی فضا افراد کو ایسے تجربات سے گزارتی ہے جو روایتی شناختوں اور طبقات کو چیلنج کرتے ہیں۔ یہاں تبدیلی کی خواہش تو موجود ہوتی ہے، لیکن اس خواہش کے ساتھ مایوسی، بے یقینی، اور ذہنی الجھنیں بھی شامل رہتی ہیں۔

مضافات اور اس کے ظہور کے بارے میں خورشید احمد (1)، "گاؤں کی تاریخ ماحول، معاشرہ اور مسائل" میں رقمطراز ہیں:

> "سماج کے ظہور کی طرح گاؤں کی بھی ایک تاریخی حیثیت ہے، کیونکہ یہ انسانی تہذیب کے اولین مراکز میں شامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں کی ساخت، رسم و رواج، اور باہمی تعلقات سماجی ارتقاء کی تفہیم میں مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔"

اے آر دیسائی (2) لکھتے ہیں:

> "انسان کے ارتقاء میں گاؤں کا ظہور بھی ایک یقینی مرحلہ رہا ہے۔ اس کی ترقی، نشو و نما انسانی تاریخ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہوتی رہی ہے۔ گزشتہ ایک سو پچاس سال میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ساتھ اس میں تیزی سے تبدیلی آئی ہے۔"

IEER Institute for Excellence in Education & Research

ادبیات میں جب مضافاتی زندگی کو موضوع بنایا جاتا ہے تو وہ محض مقام یا ماحول کی نمائندگی نہیں کرتا، بلکہ ایک ایسی گہری داخلی و خارجی کشمکش کو سامنے لاتا ہے جو فرد، معاشرہ اور مقام کے بیچ موجود تناؤ کو ظاہر کرتی ہے۔ مضافاتی دنیا اپنے اندر عبوری کیفیت، سماجی دباؤ، اور شناختی بحران کو سمیٹے ہوئے ہوتی ہے، اور ادب اس بحران کو محض بیان نہیں کرتا، بلکہ تخلیقی انداز میں اس کے مختلف رنگ اور جہتیں سامنے لاتا ہے۔ ان کہانیوں میں کردار اکثر اس دوہرے پن کا شکار نظر آتے ہیں جو دیہی سادگی اور شہری پیچیدگی کے درمیان ایک مسلسل جدوجہد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مضافاتی کردار اکثر وہ افراد ہوتے ہیں جو نہ مکمل طور پر دیہی پس منظر سے جُڑے رہ پاتے ہیں، اور نہ شہری تہذیب میں مکمل طور پر رچ بس پاتے ہیں۔ ان کی شناخت، اقدار، اور طرزِ فکر ایک مسلسل تغیر سے گزر رہے ہوتے ہیں، اور یہی تغیر انہیں ایک ایسی صورت میں پیش کرتا ہے جو نہ صرف متحرک ہے بلکہ علامتی بھی ہے۔ وہ روایتی سانچوں کو توڑنے کی خواہش رکھتے ہیں، لیکن ان میں مکمل تبدیلی کی طاقت یا وسائل موجود نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اپنے وجود، مقام اور مستقبل کے حوالے سے ایک گہرے اضطراب کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔

ادب میں ان کرداروں کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ قاری صرف ان کے ظاہری اعمال نہیں بلکہ ان کی باطنی کشمکش کو بھی محسوس کر سکتا ہے۔ ان کی بے چینی، تذبذب، اور شناخت کی تلاش، دراصل اُس سماجی تبدیلی کا عکس ہوتا ہے جو ترقی، نقل مکانی، اور جدیدیت کے نام پر فرد پر مسلط کی جا رہی ہوتی ہے۔ ان کہانیوں میں کردار نہ صرف سماج کی مختلف صفوں کے درمیان پس رہے ہوتے ہیں بلکہ اکثر وہ اپنی ذات کے اندر بھی تقسیم کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ تقسیم انہیں نہ صرف ذہنی طور پر الجھا دیتی ہے بلکہ ان کے فیصلوں، تعلقات اور خوابوں کو بھی متاثر کرتی ہے۔ مارٹن ڈائنس (3) لکھتے ہیں:

> "ادب میں، مضافاتی زمین کی تزئین اکثر محض ایک پس منظر کے طور پر نہیں بلکہ ایک علامتی جگہ کے طور پر کام کرتی ہے جہاں شناخت، طبقاتی نقل و حرکت، اور وجودی انحطاط ایک دوسرے کو آپس میں جوڑتے ہیں، جو کہ عبوری زندگی کے نفسیاتی اور سماجی تناؤ کی عکاسی کرتے ہیں۔"

INTERNATIONAL JOURNAL OF SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 3, Issue 9, 2025

مضافاتی علاقے محض جغرافیائی وحدت نہیں ہوتے، بلکہ وہ ایک فکری ونفسیاتی میدان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں پیش آنے والے تجربات اور حالات، انسان کی داخلی دنیا میں ایک ایسا ارتعاش پیدا کرتے ہیں جو ادب کے ذریعے نمایاں ہوتا ہے۔ یہاں مقام، فرد اور شناخت کا باہمی رشتہ ایک مسلسل سوالیہ نشان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ مضافاتی ادب میں یہ سوال صرف سماجی حقیقتوں تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وجودی اور فلسفیانہ جہتیں بھی اختیار کرلیتا ہے۔ لہٰذا، مضافاتی زندگی کو ادب میں محض تبدیلی یا حرکت کی علامت سمجھنا اس کی معنویت کو محدود کردینے کے مترادف ہے۔ درحقیقت، یہ زندگی ایک فکری و تخلیقی تجربہ ہے جو انسان کی داخلی پیچیدگیوں، سماجی بندشوں اور شناختی کشمکش کو ایک ہمہ گیر اور معنی خیز بیانیہ عطا کرتا ہے۔ اس بیانیے کی تفہیم ہی ہمیں فرد اور معاشرے کے بدلتے ہوئے تعلقات کو گہرائی سے سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اسی تناظر میں مورے جانسن (4) لکھتے ہیں:

"ادب میں مضافاتی طرزِ زندگی محض ایک پس منظر نہیں بلکہ وجودی دوگانگی کی علامت کے طور پر ابھرتی ہے
—ایک ایسی فضا جہاں ترقی کی خواہش اجنبیت کی کسک سے ٹکراتی ہے اور شناخت روایت اور تبدیلی کے بیچ
معلق رہتی ہے۔"

جب ہم طبقاتی تبدیلی (class mobility) اور سماجی شناخت (social identity) جیسے تصورات کا جائزہ لیتے ہیں، تو ضروری ہے کہ ان کو صرف معاشی اعداد و شمار یا سطحی مشاہدے کی بنیاد پر نہ پرکھا جائے۔ یہ تصورات بظاہر آمدنی، رہائش، تعلیم یا سہولتوں کی دستیابی سے متعلق معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت ان کی جڑیں فرد کی داخلی دنیا، اس کی ثقافتی وابستگیوں، اور وجودی احساسات تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ طبقاتی تبدیلی محض معاشی بہتری نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت عمل ہے، جس میں فرد اپنی سابقہ پہچان، رشتوں، اور حتیٰ کہ اپنی "خودی" کو بھی نئے سرے سے متعین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی تبدیلی کا عمل سماجی شناخت کے پیچیدہ سوالات کو جنم دیتا ہے: میں کون ہوں؟ میں کس سماجی پرت سے تعلق رکھتا ہوں؟ میری زبان، میرا لباس، میری خواہشات اور میرے خواب کس تہذیبی دائرے میں شمار ہوتے ہیں؟ کیا میں اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا، یا میں کچھ اور بننے کی کوشش کر رہا ہوں؟ یہ سوالات محض داخلی نہیں بلکہ سماجی و ثقافتی سطح پر بھی مسلسل اُبھرتے رہتے ہیں۔ مضافاتی علاقے ان سوالات کی شدت کو اور بڑھا دیتے ہیں، کیونکہ یہ علاقے نہ مکمل طور پر دیہی ہوتے ہیں اور نہ شہری، بلکہ ان دونوں کے بیچ ایک مسلسل عبور کا تجربہ فراہم کرتے ہیں۔ مضافاتی علاقے درحقیقت ایک ایسی فضا ہیں جہاں روایت اور جدیدیت، سادگی اور پیچیدگی، وابستگی اور بے سمتی، سب ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ یہاں فرد دیہی جڑت کو مکمل طور پر چھوڑ نہیں پاتا، اور شہری جدیدیت کو پوری طرح اپنا نہیں سکتا۔ یہ عبور، ایک غیر یقینی کیفیت پیدا کرتا ہے جس میں فرد اکثر خود کو شناختی بحران اور ثقافتی بے سمتی کا شکار پاتا ہے۔ یہی وہ سماجی و فکری خلا ہے جہاں متوسط طبقہ پنپتا ہے، مگر اسی میں الجھ بھی جاتا ہے۔ متوسط طبقہ جو ان مضافاتی علاقوں میں زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے، ہمیشہ دو انتہاؤں —اشرافیہ اور محرومی— کے بیچ معلق ہوتا ہے۔ وہ ایک بہتر زندگی کی تمنا رکھتا ہے، لیکن اس تمنا کی قیمت اپنی سابقہ پہچان اور تعلقات کی قربانی کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی، جذباتی، اور سماجی آزمائش ہے، جو صرف معاشی ترقی کا پیمانہ نہیں بلکہ وجودی عدم توازن کا بھی مظہر ہے۔ ادب میں جب ایسے کرداروں کو پیش کیا جاتا ہے تو ان کی ہر حرکت، ہر خامشی، حتیٰ کہ ان کی زبان کے استعمال میں بھی یہ کشمکش نمایاں ہوتی ہے۔ وہ ایک نئی شناخت کی تلاش میں ہوتے ہیں —ایسی شناخت جو روایات سے جُڑی بھی ہو، مگر مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی۔ مگر یہ شناخت اکثر ادھوری، متضاد، اور عبوری رہتی ہے۔ یوں طبقاتی تبدیلی، ادب میں محض ترقی کی کہانی نہیں بنتی، بلکہ انسانی شعور، شناخت، اور خودی کی مسلسل تشکیلِ نو کا عمل بن جاتی ہے —اور یہی عمل مضافاتی زندگی کی ادبی نمائندگی کو معنویت بخشتا ہے۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

(2)

ادبی متون میں مضافاتی فضا کو محض جغرافیائی یا معاشرتی تناظر میں سمجھنا ایک محدود زاویہ نظر ہے۔ جدید تنقیدی مطالعے، بالخصوص ما بعد نوآبادیاتی (Postcolonial)، ثقافتی (Cultural Studies) اور نفسیاتی (Psychoanalytic) تنقید، اس بات پر زور دیتی ہیں کہ مقام صرف ایک خارجی سیاق نہیں بلکہ ایک علامتی اور داخلی ساخت بھی رکھتا ہے۔ مضافاتی علاقے اسی تناظر میں ایک کلی علامتی نظام (total symbolic system) کے طور پر سامنے آتے ہیں، جہاں صرف زمین یا بستیاں نہیں بلکہ شناختیں، خواب، محرومیاں اور تمنائیں آباد ہوتی ہیں۔ یہ فضا اکثر ایک متحرک استعارے (dynamic metaphor) کے طور پر ابھرتی ہے۔ یہ کرداروں کی خارجی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ ان کے داخلی تضادات، نفسیاتی الجھنوں اور وجودی بحران کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔ مضافات کی یہی پیچیدہ علامتی ساخت انہیں ادبی مطالعے کے لیے ایک گہرے موضوع میں تبدیل کر دیتی ہے۔ کئی کہانیوں میں، خاص طور پر سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی، اور پریم چند کے افسانوں میں، یہ مضافاتی دنیا ایک ایسی جگہ بن کر ابھرتی ہے جہاں زندگی نہ مکمل طور پر جمود کا شکار ہے اور نہ ہی مکمل طور پر متحرک۔ شاہد حسین ڈار (5) اپنے مضمون "ادب، سماج اور کلچر"، میں لکھتے ہیں:

"ادب اور سماج ایک دوسرے کے آئینہ دار ہیں؛ جہاں سماج کی تشکیل ہوتی ہے، وہاں ادب اس کی ترجمانی کرتا
ہے، اور جہاں ادب سانس لیتا ہے، وہاں سماج کی فکری آبیاری ممکن ہوتی ہے۔"

ایک جہت میں، یہ فضا روایت، طبقاتی جبر، اور سماجی جمود کی علامت بن جاتی ہے۔ ایسے مضافات ایک ایسی بند دنیا کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں تبدیلی کے دروازے بند نظر آتے ہیں، اور فرد اپنے حالات کا شکار ہو کر داخلی طور پر مایوسی، افسردگی، یا شکست خوردگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ کسی مثبت تبدیلی کی طرف بڑھنے کے قابل نہیں رہتا، اور اس کا وجود ایک غیر فعال زندگی کی علامت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کیفیت کو ہم کرشن چندر کے افسانے "کالو بھنگی" یا منٹو کی "نیا قانون" میں محسوس کر سکتے ہیں، جہاں کرداروں کی محدود دنیا مضافاتی جبر کی عکاسی کرتی ہے۔ دوسری صورت میں، مضافاتی فضا ایک عبوری دنیا بن کر سامنے آتی ہے جہاں تبدیلی کی آرزو زندہ تو ہوتی ہے، لیکن مکمل نہیں ہو پاتی۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں فرد شہری زندگی کی سہولتوں، تہذیب اور جدید اقدار کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کا ماضی، اس کی ثقافتی جڑیں، اور طبقاتی حد بندیاں بار بار اس پیش رفت کو روک دیتی ہیں۔ ایسی کہانیوں میں مضافات کو "امید کی ادھوری سرزمین" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جہاں ترقی کا خواب ہمیشہ دھندلا رہتا ہے۔ یہ کیفیت پریم چند کے "کفن" جیسے افسانوں میں نظر آتی ہے، جہاں مضافاتی پس منظر ایک فکری جمود اور جذباتی خالی پن کی علامت ہے۔ تیسری اور نسبتاً پیچیدہ جہت میں، مضافاتی فضا بیگانگی، نفی اور انکار کی علامت بن جاتی ہے۔ اس فضا میں رہنے والے کردار نہ مکمل طور پر دیہی پس منظر سے جُڑے ہوتے ہیں، نہ شہری نظام سے ہم آہنگ۔ وہ شناخت کے ایسے "عبوری خلا" میں پھنس جاتے ہیں جہاں نہ کوئی پختہ منزل ہے اور نہ کوئی واضح راستہ۔ ان کی زبان، خاموشی، حتیٰ کہ جسمانی حرکات بھی ایک غیر متوازن شخصیت کی مظہر بن جاتی ہیں۔ ان کے اندر ایک ایسا وجودی تضاد پیدا ہوتا ہے جس کا کوئی واضح حل نظر نہیں آتا۔ ان کے رویے سماجی دُہری کیفیت (social liminality) کی عکاسی کرتے ہیں، جیسا کہ عرفان جاوید کے افسانوں یا انتظار حسین کے بیانیہ طرز میں جھلکتا ہے۔

ان تمام جہات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مضافاتی فضا ادب میں محض مقام یا سیاق نہیں بلکہ ایک کثیر المعنی علامت ہے۔ یہ ایسی علامتی جگہ ہے جو فرد کی شناخت، اس کی خودی، اس کے خواب اور اس کی ناکامیوں کا مشترکہ بیانیہ بنتی ہے۔ جدید اردو افسانے میں اس فضا کی کثیر الجہتی تشریح اس کی علامتی طاقت اور تنقیدی اہمیت کی غماز ہے۔ سید احتشام حسین(6) لکھتے ہیں:

> "ادب میں سماجی کردار صرف کہانی کے اجزاء نہیں، بلکہ وہ علامتی وجود ہیں جو شناختی الجھن، سماجی تناؤ، اور طبقاتی عبور کی پیچیدگیوں کو اپنے رویے، فیصلوں اور خوابوں کے ذریعے عیاں کرتے ہیں؛ یوں سماجی فضا محض مقام نہیں بلکہ ایک نفسیاتی و سماجی کیفیت کا مکمل استعارہ بن جاتی ہے۔"

پریم چند کے افسانے برصغیر کی سماجی تشکیل اور طبقاتی پیچیدگیوں کو جس گہرائی سے بیان کرتے ہیں، وہ انہیں محض ادبی تخلیقات نہیں بلکہ ایک مکمل سماجی دستاویز بنا دیتے ہیں۔ تاہم آج کے بدلتے ہوئے معاشرتی و فکری منظر نامے میں ان افسانوں کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہے—ایسے زاویے سے جو "مقام" اور "شناخت" جیسے تصورات کو محض جغرافیائی یا ثقافتی تناظر میں نہ دیکھے، بلکہ ان کے باہمی تعامل کو بھی سمجھے۔ "مضافاتی حقیقتیں اور سماجی شعور" اسی تنقیدی زاویے کی ایک شکل ہے، جہاں پریم چند کے افسانوں میں ابھرتی ہوئی مضافاتی فضا کو نہ صرف ایک عبوری مقام بلکہ ایک فکری علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دیہی روایت اور شہری جدیدیت ٹکراتی ہیں، اور فرد شناختی الجھن، طبقاتی بے چینی اور ثقافتی بے یقینی کا شکار ہوتا ہے۔ نئی قرأت میں یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پریم چند کے کردار کس طرح اس مضافاتی کشمکش میں جیتے ہیں، اور ان کی سوچ، زبان اور تعلقات کس طرح اس سماجی شعور کی عکاسی کرتے ہیں جو عبور، تضاد اور تبدیلی کے بیچ پروان چڑھتا ہے۔ اس زاویے سے پریم چند کی کہانیوں کو پڑھنا، گویا ان کی فکری ساخت میں چھپی ہوئی اُن پرتوں کو وا کرنا ہے جو آج کے قاری کے لیے نئے معانی اور سوالات پیدا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، پریم چند(7) کے افسانہ "پنچایت" کا منظر یوں دکھائی دیتا ہے:

> "سمجھو نے نیا بیل پایا۔ تو پاؤں پھیلائے۔ دن میں تین تین چار چار کھیوے کرتے۔ نہ چارے کی فکر تھی۔ نہ پانی کی۔ بس کھیوں سے کام تھا۔ منڈی لے گئے۔ وہاں کچھ سوکھا بھُس ڈال دیا۔ اور غریب جانور ابھی دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ پھر جوت دیا۔"

پریم چند کے ناولوں اور افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستانی مضافاتی معاشرت کی عکاسی نہایت گہرائی اور بصیرت کے ساتھ کی ہے۔ ان کی تخلیقات میں جو منظر نامہ ابھرتا ہے، وہ صرف ایک دیہی پس منظر نہیں بلکہ ایک ایسی عبوری فضا ہے جہاں طبقاتی ظلم، معاشی استحصال، اور سماجی نابرابری کی تہیں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ چونکہ خود پریم چند ایک ایسے ماحول میں پرورش پاتے ہیں جہاں مہاجن سود کی زنجیروں میں کسانوں کو جکڑتا ہے، پروہت دھرم اور عقیدے کے نام پر عوام کو ذہنی و مالی طور پر قید رکھتا ہے، اور ساہوکار و زمیندار مل کر کسانوں کی محنت کا استحصال کرتے ہیں—اسی لیے ان کے افسانوں اور ناولوں میں ان مظالم کا عکس محض شکایتی لہجے میں نہیں، بلکہ ایک فکری اور شعوری احتجاج کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ پریم چند نے اپنی تخلیقات کو دیہاتی زندگی کی سادہ بیانیہ سے آگے بڑھا کر ایک سماجی دستاویز کی صورت دے دی، جہاں مضافاتی عوام کی محرومیاں، ان کی جدوجہد، اور ان کے خواب نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے کردار نہ صرف معاشی نابرابری کے خلاف مزاحمت کرتے نظر آتے ہیں، بلکہ وہ ایک ایسے سماجی شعور کو بھی جنم

دیتے ہیں جو تبدیلی کا خواب دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند کے ہاں مضافاتی زندگی صرف ایک پس منظر نہیں بلکہ ایک متحرک، جیتا جاگتا کردار بن جاتی ہے، جو پورے بیانیے کو معنویت اور فکری گہرائی عطا کرتا ہے۔ پریم چند کی مضافاتی منظر نگاری اور دیہی معاشرت کی پیش کاری پر شہزاد منظر (8) رقمطراز ہیں:

> "پریم چند نے دیہی معاشرت کو محض منظر نہیں، کردار بنایا؛ گاؤں کے کسان، سپاہی، پٹواری اور زمیندار پہلی بار اردو افسانے میں گوشت پوست کے انسان بن کر ابھرے۔"

پریم چند اردو افسانے کے وہ اولین فنکار ہیں جنہوں نے شہری مرکزیت سے ہٹ کر مضافاتی اور دیہی زندگی کو اپنی تخلیقات کا محور بنایا۔ ان سے پہلے اردو افسانوی ادب میں زیادہ تر شہری ماحول، طبقہ اشرافیہ کے مسائل، اور شخصی جذبات پر توجہ دی جاتی تھی، جب کہ اکثریتی ہندوستانی آبادی کی اصل زندگی —یعنی دیہی و مضافاتی ثقافت— ادب میں جگہ نہ پا سکی تھی۔ پریم چند نے اس خلا کو پر کیا اور افسانے کو اس کی زمینی بنیاد فراہم کی۔ ان کے افسانوں میں جو زندگی نظر آتی ہے وہ صرف دیہی نہیں بلکہ مضافاتی بھی ہے —یعنی وہ عبوری دنیا جہاں شہری اثرات اور دیہی اقدار کا ٹکراؤ نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں ثقافتی معاشرت پوری شدت سے ظاہر ہوتی ہے: روایات، رسوم، سماجی تعلقات، اور طبقاتی رشتے، سب ایک ساتھ ایک پیچیدہ نظام میں جُڑے ہوئے ہیں۔ پریم چند نے ان رشتوں کی نہ صرف حقیقت نگاری کی بلکہ ان میں موجود تضادات اور تصادم کو بھی بے نقاب کیا۔ ان کی کہانیوں میں ہمیں وہ کسان نظر آتے ہیں جو زمینداروں، ساہوکاروں اور پنڈتوں کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں؛ وہ عورتیں جو سماجی پابندیوں اور غربت کے درمیان جینے کی جدوجہد کر رہی ہیں؛ وہ نوجوان جو شہری خواب آنکھوں میں لیے مضافاتی بے سمتی کا شکار ہیں۔ یہی کردار پریم چند کی تحریر کو نہ صرف سماجی بلکہ تہذیبی و ثقافتی دستاویز بناتے ہیں۔ پریم چند کے ہاں مضافاتی ثقافت محض منظر نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور مسئلہ زدہ شعور ہے۔ ان کی تحریریں ہمیں یہ باور کراتی ہیں کہ ادب صرف شہروں کا، طبقۂ اشرافیہ کا یا نفسیاتی پیچیدگیوں کا ترجمان نہیں، بلکہ گاؤں، مضافات، اور وہاں کے ثقافتی ڈھانچے کا بھی عکس بن سکتا ہے —اور بننا چاہیے۔ عظیم الشان صدیقی (9) لکھتے ہیں:

> "پریم چند نے اپنے افسانوں میں اس حقیقت کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ کسانوں اور زمین دار طبقہ کے درمیان یہ کشمکش صرف حصول لگان یا استحصال زر تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ جھوٹی انا اور مفروضہ طبقاتی حیثیت کا بھی سوال تھا جس کو برقرار رکھنے کے لیے یہ نوزائیدہ طبقہ تحفظات کے تمام اداروں کو بھی استعمال کرتا تھا۔"

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

پریم چند نے اردو افسانے کو شہری مرکزیت سے نکال کر ایک ایسی زمین پر لا کھڑا کیا جہاں مٹی کی خوشبو، سماجی ناہمواری، ثقافتی پیچیدگیاں اور مضافاتی زندگی کی حقیقی پرتیں موجود ہیں۔ ان کے افسانوں میں جو دیہاتی اور مضافاتی ثقافتی معاشرت ابھرتی ہے، وہ نہ صرف اردو ادب میں ایک نئی جہت کی بنیاد رکھتی ہے بلکہ ہندوستانی سماج کی سچائیوں کو براہِ راست سامنے لاتی ہے۔ پوس کی رات، کفن، بڑے گھر کی بیٹی، بوڑھی کاکی، گودان، عید گاہ، سوا سیر گیہوں، اور دو بیل جیسے افسانوں میں کھیت کھلیان، پگڈنڈی، چوپال، کنویں، گاؤں کی عورتوں کی باتیں، پنچایت کے فیصلے، مذہبی رسمیں اور ذات پات کے جھگڑے صرف منظر نامہ نہیں، بلکہ ایک مکمل سماجی و ثقافتی نظام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پریم چند کا دیہات ایک سادہ، پر سکون فضا نہیں بلکہ ایک جدوجہد کی جگہ ہے، جہاں مضافاتی زندگی کی کٹھنائیاں، طبقاتی تضاد، ثقافتی اُلجھنیں اور معاشی استحصال ہر قدم پر موجود ہیں۔ ساہوکار کا ظلم، زمیندار کی خود غرضی، مہاجن کی سود خوری، اور مذہبی پیشواؤں کی استحصالی روش کو وہ بڑی فنکارانہ مہارت سے بے نقاب کرتے ہیں۔ ان کا کردار نہ صرف اپنے دکھوں کا حامل ہے بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو روایت اور جدیدیت، مرکز اور حاشیے، محرومی اور خوابوں کے بیچ جھولتا رہتا ہے۔ یہی مضافاتی فضا، جو دیہات اور شہر کے درمیان عبوری علاقہ ہے، ان کے ادب میں ایک علامتی نظام میں ڈھل جاتی ہے —جہاں تبدیلی کی خواہش، شناخت کی تلاش، اور جبر کے خلاف مزاحمت ایک ساتھ موجود ہوتی ہے۔ پریم چند کے ہاں دیہاتی اور مضافاتی زندگی صرف موضوع نہیں، بلکہ ایک فکری تحریک ہے —ایک ایسا ادبی رویہ جو محروم طبقات کو زبان دیتا ہے اور انہیں افسانے کے مرکز میں لے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار صرف کسان، مزدور یا عورت نہیں بلکہ وہ ایک جیتی جاگتی ثقافت، ایک مکمل معاشرتی نظام اور ایک زندہ شعور کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح پریم چند نے نہ صرف اردو افسانے کو مضافاتی اور ثقافتی معاشرت سے جوڑا، بلکہ ادب کو زمینی حقیقتوں سے ہم آہنگ کیا، اور افسانے کو ایک فکری، جمالیاتی اور انسانی جہت عطا کی —جو آج بھی اتنی ہی مؤثر اور ضروری ہے جتنی ان کے زمانے میں تھی۔

پریم چند کے افسانوں میں ہمیں وہ مضافاتی طبقہ نظر آتا ہے جو دیہی اور شہری دو انتہاؤں کے درمیان پِسا ہوا ہے۔ ان کے افسانوی کردار، جیسا کہ کفن کے گھیسو اور مادھو، نمک کا داروغہ کا منصف مزاج افسر، یا پوس کی رات کا ہل دار کسان، سب ایک ایسے ہی مضافاتی شعور کے نمائندہ ہیں جو معاشی جبر، سماجی نابرابری اور ثقافتی انتشار کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ کردار نہ مکمل شہری بن پاتے ہیں نہ دیہاتی رہتے ہیں۔ ان کی گفتگو، طرزِ فکر، خواب، محرومیاں اور ردِّ عمل —سب کچھ ایک عبوری ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہی کیفیت انہیں ایک خاص تذبذب، اضطراب اور داخلی شکستگی کا شکار بناتی ہے۔ پریم چند کے ہاں مضافاتی فضا صرف ایک پس منظر نہیں، بلکہ ایک علامتی منظر نامہ ہے جس کے اندر کرداروں کی نفسیاتی، ثقافتی اور سماجی حالتیں چھپی ہوتی ہیں۔ مضافات میں بسنے والے افراد زمیندار، ساہوکار، پنڈت، اور ریاستی ڈھانچوں کے استحصالی نظام کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ بنیادی انسانی حقوق سے محروم،

INTERNATIONAL JOURNAL OF
SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 3, Issue 9, 2025

انصاف سے دور، اور شناخت کی کشمکش میں گرفتار ہوتے ہیں۔ پریم چند اس مضافاتی زندگی کو ایک احتجاجی، اصلاحی اور حقیقت پسند بیانیے کے ذریعے پیش کرتے ہیں—نہ جذباتیت سے لبریز اور نہ ہی محض رومانویت کا شکار۔ ان کی تحریریں ہمیں بتاتی ہیں کہ کس طرح مضافاتی ثقافت محض ترقی کے لیے کوشاں طبقہ نہیں بلکہ ایک پوری تہذیبی الجھن، طبقاتی جدوجہد اور بقا کی جنگ کا استعارہ بن چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند کے افسانے نہ صرف ایک ادبی تجربہ ہیں بلکہ ایک معاشرتی دستاویز بھی ہیں، جو ہمیں بتاتے ہیں کہ مضافاتی انسان کی زندگی صرف جغرافیے کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک مسلسل ثقافتی اور شناختی بحران کا نام ہے۔ پریم چند نے اس بحران کو نہایت فنکارانہ مہارت سے اردو ادب میں نمایاں کر کے ایک نئی فکری روایت کی بنیاد رکھی۔ محمد اکبر الدین صدیقی (10) لکھتے ہیں:

"منشی پریم چند نے اردو افسانے کو محض ایک ادبی صنف نہیں، بلکہ ہندوستانی دیہات و قصبات کی سچی تصویر بنا دیا—ان کی تحریروں نے اردو ادب کو مقامی رنگ، قومی شناخت اور بلند مقصدیت عطا کی، جس نے آنے والی نسل کے افسانہ نگاروں کو ایک واضح راستہ دکھایا۔"

پریم چند کا افسانہ "بے غرض محسن" اردو افسانے کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس میں پہلی مرتبہ ایک غریب کسان کو محض ایک ثانوی کردار کے بجائے مرکزی کردار، یعنی ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا۔ پریم چند نے اس افسانے کے ذریعے اس روایت کو توڑا جس میں ہیرو صرف شہری پس منظر یا اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والا شخص ہی ہو سکتا تھا۔ افسانہ "اندھیر" اردو افسانوی ادب میں ایک نہایت اہم مقام رکھتا ہے، جس میں انہوں نے مذہبی استحصال، سماجی جاہلیت، اور مضافاتی معاشرت کے تضادات کو گہری بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس افسانے کی کہانی گنگا کے کنارے واقع دو دیہاتوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے شروع ہوتی ہے، جو دیکھتے ہی دیکھتے سماجی اور مذہبی تعصب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پریم چند نے اس سادہ سی کہانی کو ناگ پنچمی جیسے مقامی مذہبی تہوار کے پس منظر میں اس طرح بُن دیا ہے کہ دیہی عوام کی سادگی، جہالت، اور عقیدے کے نام پر ہونے والے دھوکے پوری شدت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ افسانہ "خون سفید" منشی پریم چند کا ایک نہایت اہم اور معنی خیز افسانہ ہے، جو نہ صرف دیہی معاشرت کے المیوں کو بیان کرتا ہے بلکہ ہندو سماج میں رائج چھوت چھات، ذات پات اور مذہبی منافرت جیسے حساس موضوعات کو بھی بڑی جرات اور سچائی سے بے نقاب کرتا ہے۔ یہ کہانی صرف ایک غریب خاندان کی معاشی بدحالی کا نوحہ نہیں، بلکہ اس کے پس منظر میں سماجی اور مذہبی تعصب کا وہ گھناؤنا چہرہ نمایاں کیا گیا ہے جس نے انسان کو انسان سے جدا کر رکھا ہے۔ پریم چند نے افسانہ "بیٹی کا دھن" کے ذریعے دیہاتی ثقافت، کسانوں کی مالی حالت، اور زمیندارانہ نظام کی بے رحمی کے ساتھ ساتھ خاندانی محبت، قربانی اور معاشرتی اقدار کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح ایک باپ اپنی بیٹی کی محبت اور اس کی عزت کے درمیان الجھ کر خود کو بے بس محسوس کرتا ہے، اور آخر کار بیٹی کے اصرار اور حالات کی مجبوری کے باعث اس امانت کو گروی رکھ کر قرض چکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ افسانہ "پنچایت" نہ صرف ایک خاندانی جھگڑے کی کہانی ہے بلکہ یہ دیہی پنچایتی نظام کی اہمیت اور اس کی سماجی ساخت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ پریم چند نے دکھایا کہ پنچایت صرف قانونی مسئلے حل کرنے کا پلیٹ فارم نہیں بلکہ ایک ثقافتی ادارہ ہے، جو گاؤں کی اجتماعی دانش اور سماجی اقدار کا نمائندہ ہوتا ہے۔ پریم چند نے "پنچایت" کے ذریعے سماجی انصاف، بوڑھے افراد کے حقوق، خاندانی وابستگی، اور دیہی زندگی کے جذباتی رشتوں کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ یہ افسانہ نہ صرف ایک دردناک انسانی تجربے کا بیان ہے بلکہ ایک مکمل سماجی مطالعہ بھی ہے، جو آج کے دور میں بھی اتنا ہی بامعنی اور موثر ہے جتنا اپنے وقت میں تھا۔

افسانہ "سوا سیر گیہوں" پریم چند کے ان شاہکار افسانوں میں سے ہے جس میں نہ صرف دیہی معاشرت، طبقاتی استحصال، اور کسان کی غربت کا دردمندانہ بیان ملتا ہے بلکہ یہ کہانی مذہب کے لبادے میں چھپے استحصالی رویّوں کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ افسانے کا ماحول، منظر نگاری، مکالمے، اور کرداروں کی نفسیات اتنی حقیقت پسندانہ ہے کہ قاری کو لگتا ہے جیسے وہ خود اس گاؤں میں موجود ہے اور شنکر کی جدوجہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پریم چند کے اسلوب کی یہی خوبی ہے کہ وہ قاری کو صرف کہانی نہیں سناتے، بلکہ اسے تجربہ کرا دیتے ہیں۔ افسانہ "کفن" پریم چند کے افسانوی ادب میں ایک ایسا شاہکار ہے جس نے اردو افسانے کے مزاج، دائرہ کار، اور سماجی تنقید کے اسلوب کو بالکل نئی جہت عطا کی۔ یہ افسانہ نہ صرف دیہاتی معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو بے نقاب کرتا ہے بلکہ انسانی فطرت کے ان پہلوؤں کو بھی سامنے لاتا ہے جو عام طور پر نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ "کفن" کے ذریعے پریم چند نے اردو افسانے کو محض واقعہ نگاری سے نکال کر ایک ایسی فکری سطح پر پہنچا دیا جہاں سماجی، معاشی اور اخلاقی تضادات کا گہرا شعور موجود ہے۔ یہ افسانہ نہ صرف فن کا اعلیٰ نمونہ ہے بلکہ وہ سماجی بے حسی، طبقاتی ظلم، اور انسانی اقدار کے زوال کی ایک فکر انگیز تصویر بھی ہے۔ پریم چند نے اسے لکیر کے فقیر دیہاتی کرداروں کی کہانی نہیں بنایا، بلکہ وہ اسے ایک ایسا آئینہ بناتے ہیں جس میں ہم سب کو اپنی اجتماعی غفلت، منافقت اور بے حسی نظر آتی ہے۔

پریم چند نے دیہی زندگی کا مطالعہ نہایت گہرائی، انہماک اور جذباتی وابستگی کے ساتھ کیا، اور خاص طور پر مضافاتی اور ثقافتی معاشرت کے ارتقائی پہلوؤں کو اپنے افسانوں میں مرکزیت دی۔ ان کے افسانوں میں صرف خالص دیہی زندگی کا بیان نہیں بلکہ وہ عبوری فضا بھی موجود ہے جو دیہات اور شہر کے بیچ "مضافات" کہلاتی ہے—ایک ایسا علاقہ جہاں روایتی اقدار اور جدید تقاضے آپس میں ٹکراتے ہیں۔ اسی تصادم سے وہ ثقافتی شعور جنم لیتا ہے جو پریم چند کے افسانوی کینوس پر بہت نمایاں ہے۔ پریم چند کے کردار، خاص طور پر کسان، مزدور،

اور نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد، محض دیہاتی زندگی کے نمائندہ نہیں بلکہ وہ مضافاتی شعور کا پیکر بھی ہیں۔ ان کرداروں کی زندگیاں ایک طرف جاگیرداروں، زمینداروں، اور ساہوکاروں کے ظلم کی تصویر پیش کرتی ہیں، تو دوسری طرف وہ اس بدلتی ہوئی ثقافت کا بھی مظہر ہیں جس میں پرانی سماجی ساختیں ٹوٹ رہی ہیں اور نئی شناختیں جنم لے رہی ہیں۔ پریم چند کی افسانہ نگاری میں یہ ثقافتی معاشرت (Saqafi Maashrat) صرف معاشی یا طبقاتی نہیں بلکہ اقدار، رسم و رواج، اور رشتوں کے نظام میں بھی جھلکتی ہے۔ ان کے افسانوں میں چوپال، پنچایت، تہوار، مذہبی رسومات، اور روزمرہ کی زندگی — سب کچھ ایک وسیع ثقافتی فریم ورک میں موجود ہے، جہاں ہر عمل اور ردعمل کسی نہ کسی معاشرتی قدر یا تضاد سے جڑا ہوتا ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو پریم چند کے افسانوں کو محض دیہات کی عکاسی تک محدود نہیں رہنے دیتے، بلکہ مضافاتی اور ثقافتی معاشرت کے گہرے مطالعے کا ایک جاندار بیانیہ بنا دیتے ہیں۔ ان کے کردار صرف مظلوم نہیں بلکہ معاشرتی تبدیلی کے خاموش گواہ اور کبھی کبھی مزاحمت کے استعارے بن کر ابھرتے ہیں۔ یہی پریم چند کی عظمت کا اصل راز ہے کہ انہوں نے اردو افسانے کو ایک جغرافیائی دائرے سے نکال کر ثقافتی و تمدنی شعور کی سطح پر فائز کر دیا۔ مجموعی طور پر پریم چند کے افسانے نہ صرف ہندوستانی دیہی زندگی کی حقیقی ترجمانی کرتے ہیں بلکہ مضافاتی معاشرت کے اس عبوری اور پیچیدہ مزاج کو بھی مکمل فنکارانہ گہرائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو ہندوستانی معاشرے کی شناخت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند محض افسانہ نگار نہیں، بلکہ سماجی تاریخ کے ثقافتی ترجمان کے طور پر بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

(1) احمد، خورشید (1994ء)، "اردو افسانوں میں گاؤں کی عکاسی"، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ص 12۔

(2) دیسائی، اے آر (1961ء)، "Rural India in Transition"، ممبئے، پاپولر پرکاشن پرائیویٹ لمیٹڈ، ص 5۔

(3) ڈائنس، مارٹن (2020ء)، "The Literature of Suburban Change"، سکاٹ لینڈ، ایڈنبرا یونیورسٹی پریس، ص 112۔

(4) جانسن، ایم (2014ء)، "uburban Narratives: Identity and Class in Modern Fiction"، نیویارک: روٹلیج، ص 312۔

(5) ڈار، شاہد حسین (2020ء)، "ادب، سماج اور کلچر"، مشمولہ: "اردو ریسرچ جرنل"، مدیر: عزیر اسرائیل، دہلی، نیٹیز نز فار ڈیولپمنٹ

(6) حسین، سید احتشام (1972ء)، "ادب اور سماج"، ممبئی، کتب پبلیشرز لمیٹیڈ، ص 54۔

(7) چند، پریم (1979ء) "پنچائیت"، مشمولہ: دیہات کے افسانے، لاہور، دارالاشاعت پنجاب، ص 22۔

(8) منظر، شہزاد (2006ء)، "جدید اردو افسانہ"، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص 114۔

(9) صدیقی، عظیم الشان (2006ء)، " افسانہ نگار پریم چند: تنقیدی و سماجی محاکمہ"، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص 59۔

(10) صدیقی، محمد اکبر الدین (1975ء)، "پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری"، حیدرآباد، ادارہ ادبیات اردو، ص 63۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research